احوال و کوائف دار العلوم

از حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ

درسِ بخاری شریف کی اختتامی تقریب کے افادات

مورخہ ۵ شعبان بعد از نماز ظہر دار العلوم کی شاندار مسجد کے صحن میں ختم بخاری کی سادہ مگر مؤثر اور رقت انگیز تقریب منعقد ہوئی جس میں طلبۂ دورۂ حدیث (اس سال جن کی تعداد ۶۳ تھی) کے علاوہ اساتذہ اور طلبہ دار العلوم اور باہر کے حضرات نے بھی شرکت کی۔ حضرت شیخ الحدیث نے بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح کے ساتھ ساتھ فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کو ان کے فرائض اور نازک ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور مفید نصائح فرماتے ہوئے حدیث کی اجازت عطا فرمائی اس تقریر کو بعض حضرات نے نوٹ کر لیا۔ گو اس کا زیادہ حصہ علمی اور طالب العلموں کے افادہ کے لئے تھا۔ مگر اسی حلقہ (جس کا قارئین الحق میں کافی حصہ ہے) کے فائدہ کے لئے اسے مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تقریب کے اختتام میں فارغ ہونے والے طلبہ کی آئندہ دینی و علمی کامیابی اور تمام مسلمانوں بالخصوص معاونین و وابستگان دار العلوم اور ملک کے حقیقی فلاح و کامیابی کیلئے نہایت خشوع والحاح سے دعائیں کی گئیں۔
—— ادارہ ——

باب قول اللہ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ وان اعمال بنی ادم وقولهم یوزن وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومیۃ ویقال القسط مصدر المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر۔ حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارۃ بن القعقاع عن ابی زرعۃ عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

قیامت کے دن اقوال و اعمال کا وزن

امام بخاری علیہ الرحمۃ اس باب سے قیامت کے دن انسان کے اقوال و اعمال کا وزن ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کلام اللہ جس سے خدا تعالیٰ متصف ہے۔ اور جو کلام صفت خداوندی ہے۔ غیر مخلوق اور غیر موزوں ہے۔ اور وہ کلام جس سے ہمارا تلفظ وابستہ اور متعلق ہے۔ وہ چونکہ ہمارا ہی قول و عمل ہے تو اسے تولا جائے گا۔ گویا وارد و مورود میں فرق ہے۔ وارد (تلفظ) موزوں ہے۔ اور مورود کلام اللہ ہے جو نہیں تولا جائے گا۔ خود الفاظ قرآن قدیم ہیں۔ اور یہ کلام لفظی کلام نفسی کا مظہر ہے۔ اسی نکتہ کو امام بخاریؒ نے محمد بن یحیی الذهلیؒ کو مسئلہ خلق قرآن کے متعلق جواب دیتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ لفظی بالقرآن مخلوق یعنی قرآن مجید پر میری جنبش لسانی حادث ہے۔ اس سے

لوگوں نے امام بخاریؒ کی طرف خلق قرآن کے قائل ہونے کی نسبت کی۔ حالانکہ امام کا مطلب ہرگز یہ نہ تھا۔ بلکہ یہی کہ میرا تلفظ جو متعلق قرآن ہے۔ وہ مخلوق ہے جیسے میزان میں بھی تولا جائے گا۔ تو کلام اللہ بحیثیت صفت خداوندی جو مورود ہے غیر مخلوق ہے۔ اور بحیثیت تلفظ جو وارد ہے، مخلوق ہے۔

وان اعمال بنی ادم وقولھم یوزن۔　　بیشک انسان کے اعمال واقوال تولے جائیں گے۔

چونکہ تلنے والے اعمال وعبادات (صلوٰۃ وصوم حج و زکوٰۃ) وجنایات مختلف الانواع ہیں۔ اس لئے و نضع الموازین القسط میں (ہم عدل والنصاف کے ترازو کھڑے کر دیں گے) موازین جمع وزن کا صیغہ لایا گیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے دن قرطاس (کاغذ) کا ایک معمولی پرزہ جو خلوص ویقین کے ایک کلمہ سے مزیّن ہوگا۔ ———— جرائم اور معاصی کے بڑے بڑے دفاتر اور دواوین پر بھاری ہو جائے گا۔ ذلك فضل الله والله ذو الفضل العظیم۔ مصنّف نے یہاں بھی روایت ابوہریرہؓ میں لفظ ثقیلتان فی المیزان سے مدعا ثابت کیا۔ کہ اقوال کا بھی وزن ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ والوزن یومئذ الحق۔ (اور واقعی اس دن وزن بھی ہوگا۔) اللہ کے ہاں کوئی کام مشکل نہیں۔ اور آج کل تو اعراض بھی تولے جاتے ہیں۔ درجۂ حرارت وبرودت کے ذریعہ گرمی اور سردی کا وزن ہوگا۔ ووجدوا ما عملوا حاضرا۔ (جو کچھ انہوں نے کیا تھا اسے موجود پائیں گے۔)

فلسفۂ جدیدہ سائنس کی اکثر اشیاء نے شریعت کے کئی مسائل کی تائید کی۔ حضرت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ) سے فلسفۂ قدیم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ فلسفۂ قدیمہ شریعت سے مخالف ہے۔ اور موجودہ سائنس اور جدیدہ فلسفہ سے شریعت کی تائید ہوتی ہے۔ ان چیزوں کا شریعت سے تصادم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ————

لغوی تحقیق | قسط کا معنیٰ عدل والنصاف ہے۔ مصنّف اپنی عادت کے مطابق حدیث یا قرآن کے ایک لفظ کے مادہ کی مناسبت سے دوسرے الفاظ کی بھی جو قرآن وحدیث میں اس مادہ سے مستعمل ہوئے ہوں تشریح فرماتے ہیں۔ یہاں قسطاس کی شرح بھی کر دی کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اہل روم کے نزدیک اس کا معنیٰ عدل ہیں۔ پھر معرب ہونے کے بعد اس لفظ نے حکم بھی عربی کا لیا۔ قسط مجرد مصدر ہے مقسط کا مصنّفؒ نے اشارہ فرمایا کہ مصدر خواہ مفرد ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے مفرد و جمع دونوں کی توصیف کی جا سکتی ہے۔ اس لئے موازین کے بعد قسط مفرد لایا گیا۔ مُقسط کا مصدر اقساط ہے۔ مگر باعتبار حذف زوائد قسط کو مصدر کہا ———— باب افعال کا ہمزہ

کبھی سلب کے لئے آیا کرتا ہے۔ تو سلب ظلم نہیں۔ مگر عدل اس لئے مقسط مزید بھی بمعنی عادل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے : ان اللہ یحب المقسطین۔ (بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے) اس کے مجرد سے اسم فاعل قاسط ہے۔ جس کا معنی جابر اور ظالم ہے۔ جیسے فرمایا۔ واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا۔ (اور لیکن جو ظالم ہیں سو وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے)

گویا یہ لفظ اضداد سے ہے۔ ظلم و عدل دونوں معانی میں مستعمل ہے۔ اس لئے تو قرآن و حدیث کا سمجھنا بغیر علمی مہارت کے ممکن نہیں۔ گو اسکی حفظ اور تلاوت بھی باعث اجر ہے۔ مگر اس کا صحیح فہم ہر کسی کا کام نہیں۔ حجاج بن یوسف اس امت کے ظالم حاکم گذرے ہیں۔ ہزاروں اولیاء و علماء و صحابہ کو جبراً قتل کیا پھر بھی قرآن سے شغف تھا۔ قرآن مجید کے اعراب و حرکات اسی نے لگائے ہیں۔ اس وقت کے حاکم ظالم اور جابر ہونے کے باوجود علوم دینیہ سے باخبر ہوتے قرآن اکثر حکام کو یاد ہوتا اور کئی حکام تو حافظ حدیث بھی ہوتے۔ وہ شخص حافظ حدیث کہلاتا جسے کم ازکم ایک لاکھ احادیث یاد ہوتیں۔ تو حجاج بن یوسف نے ایک مرتبہ مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ سے اپنے بارے میں اس کی رائے دریافت کی تو سعیدؒ نے جواب دیا کہ میری رائے میں تو قاسط عادل ہے۔ لوگ حیران ہوئے کہ کس طرح حضرت سعیدؒ نے حجاج بن یوسف کی تعریف و توصیف کی اور اسے عادل و منصف کہا۔ حجاج نے فوراً ان کا تحیر و تعجب دور کر دیا اور حاضرین سے کہا کہ تم اس کے مطلب کو نہیں سمجھے اس نے مجھے ظالم اور مشرک کہا۔ اس نے قاسط بمعنی ظالم اس آیت سے لیا۔ واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا۔ اور عادل سے اس کا مراد مشرک ہے جیسے کہ اس آیت میں وارد ہے۔ واما الذین کفروا بربھم یعدلون۔ (اور جو کافر ہیں وہ اوروں کو اپنے رب کے برابر کرتے ہیں۔)

حدیث کی شرح

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث پر مصنفؒ نے اپنی جلیل القدر اور عظیم کتاب ختم فرمائی جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ دو کلمے ہیں۔ جو رحمان کے ہاں بہت پسندیدہ و محبوب ہیں۔ اور جو اس کو پڑھے، اس کا ورد کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ اور اس پر بہت بڑا اجر و ثواب پائے گا۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ دیگر اسماء قدسیہ کا ذکر نہیں بلکہ رحمان کا لفظ آیا ہے جس میں اشارہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا وصف رحمانیت ہی ہے۔ جو اتنے عظیم انعامات و اکرامات کا باعث بن رہا ہے ___ پھر فرمایا کہ یہ دو کلمے زبان پر اور تلفظ میں بہت آسان ہیں۔ کہ مختصر جملے ہیں۔ جنہیں غبی اور ذہین سب بآسانی یاد کر سکتے ہیں اور

جس سے حسنات کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ اس میں اللہ جل جلالہٗ کے ہر عیب و برائی اور ہر قسم کے شرک اور نقصانات سے تنزیہ و تقدیس ہے۔ جس سے شرک کی بنیادیں کٹ جاتی ہیں۔ سبحان اللہ العظیم اس میں ساری عظمتیں اور کبریائیاں اللہ کے لئے خاص کر دی گئیں اور اللہ کا اتصاف بصفات الکمال کر دیا گیا۔ سبحان اللہ میں تنزیہ و تزکیہ اور وبحمدہ میں ثبوت صفات کمالیہ ہے۔ اور العظیم میں عظمت ربانی کی تصریح ہے۔ کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ کسی کا محتاج نہیں یہ سب موجودات اسی کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ یہ اصل توحید ہے۔ جب نعم خداوندی مستحضر ہو جاتی ہیں۔ تو انسان بے ساختہ حمد و تعریف کرنے لگتا ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ —— مگر فرط محبت سے اگر کسی کی نظر صرف رحمان پر رہے کہ جب وہ رحمان ہے۔ تو طاعت کی کیا ضرورت ہے۔ تو سبحان اللہ العظیم میں اسکی عظمت و جلالت کی طرف اشارہ ہوا کہ وہ ہر عظیم سے بزرگ و برتر ہے۔ تو عظیم سے مقام خوف اور رحمان سے مقام رجاء کی طرف توجہ دلائی گئی۔ ان کلمات کا وہی مفہوم ہے جو کلمہ طیبہ کا ہے۔ کہ لا الٰہ میں تنزیہ و تقدیس اور نفی شرک ہے۔ اور الا اللہ میں اعتراف وحدانیت اور ثبوت صفت کمالیہ ہے۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو کتاب کا خاتمہ بنا کر اس طرف بھی اشارہ کیا کہ جس شخص کا خاتمہ کلمۂ توحید پر ہو تو دخل الجنۃ وہ جنت کو داخل ہو گا۔ (کمافی الحدیث الآخر) نیز اشارہ ہے۔ کہ الفاظ کلمہ توحید بوقت نزع ضروری نہیں بلکہ اس کا مفہوم جن الفاظ سے بھی ادا ہو اور وہ کلمہ جو تقدیس و تحمید خداوندی پر مشتمل ہو وہ کافی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری کلمات تھے۔ اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ۔ (اے اللہ بہترین مقام عطا فرما۔)

امامؒ نے یہ کتاب عمل کرنے کے لئے بنائی اور عمل کا مدار نیت ہے۔ اور اعمال کی انتہا روز قیامت وزن پر ہے۔ اس لئے کتاب کا آغاز بھی امام بخاریؒ نے نیت کی اہمیت والی حدیث سے کیا یعنی :

انما الاعمال بالنیات وانما لامرئٍ مانوی	اعمال کی فضیلت اور قبولیت کا دارومدار
فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن	نیات پر ہے۔ انسان کو نیت کا ثمرہ ملتا
کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبہا او الی	ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر
امرأۃ ینکحہا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ	ہجرت کی وہ واقعی ایسی ہو گی اور جس نے

حصول دنیا یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے خیال سے ہجرت کی تو اسکی ہجرت اپنی غرض دنیوی ہی کیلئے ہو گی۔ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا اجر نہ ملے گا۔)

امام بخاریؒ نے اشارہ فرمایا کہ تمام اعمال و احکام کا مبدأ اور مدار وحی ہے۔ اور وہی عمل و حکم صحیح قرار پائے گا جو وحی سے مستنبط ہو۔ اور جو وحی سے مستنبط نہ ہو وہ غلط ہوگا۔ اور اعمال و احکام کا مدار و مبدأ اور اس کا بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہونا نیت کی خلوص اور تصحیح پر موقوف ہے۔ اگر نیت خالصۃً للہ اور اسکی رضامندی کا حصول ہو تو وہ عمل اللہ کے ہاں شرف قبول پائے گا۔ تصحیح نیت کے بعد اعمال کی انتہا وزن پر ہے۔ جس پر سعادت و کامیابیٔ دارین و فوز آخرت ہے۔ اور جب نیت درست ہو تو اعمالِ حسنہ کا وزن بھی بھاری ہوگا۔ خلاصہ کتاب یہ ہے۔ کہ جب مسلمان کا عمل اور حکم وحی سے مستنبط ہو اور عامل کی نیت صحیح ہو تو قیامت کے دن اس کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا۔ اور یہ شخص اپنے مقصدِ حیات رضائے خداوندی کو پائے گا۔ مصنفؒ نے اس حدیث کو آخر کتاب میں لاکر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان و اکرام کا شکریہ ادا کرنا چاہا کہ اس نے اپنے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احادیث جمع کرنے کی توفیق دی۔ اور پھر ہم گنہگاروں کو بھی اس کے پڑھنے اور سننے کا موقعہ عطا فرمایا۔ حدیث میں شغل موجبِ سعادت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر خداوند کریم کا بے پایاں فضل و کرم نہ ہوتا تو ہم بول و براز کے کیڑے اور گندگی کے حشرات ہوتے۔ یہ اس کا کرم ہے۔ کہ ہمیں اس نے اشرف المخلوقات یعنی انسان بنایا پھر ہمیں اپنے رسولِ کریم کی احادیث پڑھنے پڑھانے کی توفیق دی۔ اگر ہماری تمام عمر اس نعمت کے عوض اسکی سجدہ ریزی اور تشکر میں گذر جائے تب بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

سلسلۂ سندِ حدیث اور اجازت

مجھے بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت میرے آقا و مولیٰ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام مجاہد اعظم مرشد العالم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے دیوبند میں دی۔ یہ سب کچھ خداوند کریم کا احسان ہے۔ اور اس کے بعد اس مشفق و مہربان استاد کی برکت اور دیگر اکابر سلسلہ کا فیض ہے۔ کہ جو کچھ ہمیں ملا انہیں کے ذریعہ سے ملا۔ اللہ تعالےٰ حضرت شیخؒ کے مرقد پاک کو مرکزِ انوار و برکات بنا دے۔ حضرت شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم مولانا مدنیؒ کی کراماتِ ظاہرہ میں سے یہ مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں کو ان کی صحبت و مجلس کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ وہ آج دینی امور کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ اور مجھ جیسا گنہگار، حقیر اور ناچیز بے علم شخص کو بھی اس نسبت سے اس مقدس مشغلہ کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت شیخ درس حدیث کے وقت احادیث کا حق ادا کرتے۔ کبھی ان کو اس میں وقت کی تنگی یا کثرتِ سوالات وغیرہ

سے پریشانی اور ملال نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ کبھی ان پر پڑھانے کی عجلت تھی ——— شروع کے اسباق اور آخر کے نہایت اطمینان سے پڑھاتے تھے۔ کبھی وقت کی تنگی کی وجہ سے خدمت حدیث کے حق ادا کرنے میں تعجیل سے کام نہ لیتے۔ حلم کی یہ حالت تھی۔ کہ جب طلبہ بے جا اعتراضات کرنے لگتے تو حضرت حسن بصریؒ کی طرح "خلق الانسان من عجل" کہہ دیتے۔ (یعنی انسان عجلت سے پیدا کیا گیا۔)

احادیث کی مکمل لغوی وفقہی اور فنی تشریح اختلاف مذاہب اور مذہب احناف کی تائید و تقویت عجیب وغریب پیرایہ میں کرتے۔ غرض سلف سے جتنے آداب و شرائط درسِ حدیث کے لئے منقول ہیں۔ وہ ان میں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا سند یہ ہے ———

حدثنی سیدنا وشیخنا ومولانا حسین (۱)	مجھے حضرت شیخ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے
احمد مدنیؒ قال حدثنا شیخ الهند	حدیث کی اجازت دی۔ انہوں نے حضرت
مولانا محمود (۲) الحسن الدیوبندیؒ	شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے حاصل کی۔
قال حدثنا الشیخ الامام محمد (۳) قاسم	شیخ الہند نے الشیخ الامام محمد قاسم النانوتوی
النانوتویؒ والشیخ رشید (۴) احمد الگنگوهیؒ	اور شیخ رشید احمد الگنگوہی سے ان دونوں
قالا حدثنا الشیخ الشاہ عبد (۵) الغنی المجددیؒ	حضرات نے شاہ عبد الغنی مجددی سے انہوں
المهاجر المدنی قال حدثنا الامام الحجة	نے شاہ محمد اسحاق الدہلوی سے۔ اور
الشاہ محمد اسحاق (۶) الدهلویؒ قال	شاہ محمد اسحاق نے شاہ عبد العزیز الدھلوی
حدثنا الشیخ الاجل الشاہ عبد العزیز (۷)	سے حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے والد
الدهلویؒ قال حدثنا الامام الحجة	اور شیخ الامام الحجۃ شاہ ولی اللہ الدہلوی سے
الشیخ الشاہ ولی اللہ الدهلوی رحمهم	روایت و اجازت حدیث حاصل کی۔
اللہ تعالیٰ اسلہ	

(۱) ولادت ۱۲۹۶ھ وفات ۱۳۷۷ھ (۲) ۱۲۶۸ھ تا ۱۳۳۹ھ (۳) ۱۲۴۸ھ تا ۱۲۹۶ھ (۴) ۱۲۴۴ھ تا ۱۳۲۳ھ

(۵) یہ شاہ عبد الغنی مجددی حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادہ نہیں بلکہ ان کا نسبت نامہ حضرت مجدد الف ثانی سے ملتا ہے۔ شاہ عبد الغنی بن شاہ ابوسعید بن شاہ شفیع القدر بن شاہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ان کا سنِ ولادت ۱۲۳۵ھ ہے اور وفات ۱۲۹۵ھ مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ (۶) ۱۱۹۷ھ تا ۱۲۶۲ھ (۷) ۱۱۵۹ھ تا ۱۲۳۹ھ (۸) ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ ——— (ادارہ)

سلہ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی رح سے امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری اور الامام الاجل الشیخ الترمذی تک سلسلہ سند مشہور و معروف اور اوائل کتب حدیث میں مذکور ہے۔ اور ان حضرات سے حضور اقدس آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تک راویوں کا سلسلہ ہر حدیث شریف کے ساتھ بیان ہوتا ہے۔

سند کی حقیقت ان حضرات اکابر و مشائخ کے ذریعہ جو اجازت روایت حدیث حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح نے دی وہی حضرت شیخ رح کی اجازت تمہیں دیتا ہوں۔ میں تو خود ایک ناچیز اور ہر لحاظ سے کم سواد ہوں۔ اجازت کا مطلب یہ ہے کہ اعطاء علوم و فیوض خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور واسطہ تمام علوم کی تقسیم کا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے۔ انما انا قاسم واللہ معطی۔ (میں تقسیم کرنیوالا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والے ہیں) درمیان میں اساتذہ محدثین سلسلہ اور زنجیر کی حیثیت رکھتے ہیں جسطرح ایک کھیت کو دریا سے پانی نالہ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔ نالہ نہ ہو تو اس کی سیرابی مشکل ہے۔ اسطرح اساتذہ مشائخ روایت حدیث بھی ایک میزاب کا کام دیتے ہیں۔ سند کے ذریعہ سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے طلبہ حدیث کی کڑی لگ جاتی ہے۔ اور رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس لئے شاہ ولی اللہ کے دور تک اکثر متقدمین کے ہاں تعلیم حدیث کا یہ طریقہ رہا کہ حدیث کی عبارت کی سماعت و قرارت اور روایت کے اتصال کیلئے محض سرد الحدیث کا طریقہ رائج تھا۔ یہ حدیث کا ایک طریقہ ہے جو اہم ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ کہ حضور اقدس ص سے سلسلہ متصل ہو فقہی و لغوی تحقیق کو زیادہ اہمیت نہ تھی۔ اب تمہارا تعلق اور رابطہ سلسلۂ احادیث سے قائم ہو چکا ہے۔ اور علوم نبویہ کے سمجھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے ایک راہ کھل گئی ہے۔ آگے تم لوگوں کا کام ہے کہ اپنے استعداد سے کام لیکر اس میں تبحر اور وسعت مطالعہ پیدا کریں۔ یاد رکھیں اپنے آپ کو ہرگز نہ عالم سمجھیں اور نہ حصول علم میں عار و شرم محسوس کریں یہ اجازت بھی ان شرائط و آداب کے ساتھ مشروط ہے۔ جو اکابر سلف نے حدیث کے بیان اور درس و تدریس

(حاشیہ صفحہ ۔) حضرت شیخ کے چند اور سلسلے بھی درج ذیل ہیں۔ ۱۔ اخبرنی الشیخ حسین احمد المدنی عن الشیخ محمود الحسن الدیوبندی عن العلامۃ محمد مظہر النانوتوی رح و مولانا الغازی محمد عبد الرحمان الفانی فتی۔ کلاھما عن الشاہ محمد اسحاق رح الی آخرہ۔ ۲۔ قال شیخنا الحسین احمد المدنی اروی ھذہ العلوم عن الشیخ الاجل مولانا عبد العلی وعن الشیخ الاجل مولانا خلیل احمد السہارنپوری کلاھما عن مولانا رشید احمد الگنگوہی و مولانا محمد قاسم الی آخرہ۔ ۳۔ قال الشیخ الاجل واروی عن مشیخۃ اعلام من الحجاز اجازۃً وقراءۃً لاوائل بعض الکتب اجلّھم شیخ التفسیر حسب اللہ الشافعی المکی و مولانا عبد الجلیل براد المدنی و مولانا عبد السلام الداغستانی مفتی الاحناف بالمدینۃ المنورہ و مولانا السید احمد البرزنجی مفتی الشافعیۃ بالمدینۃ المنورہ رحمہم اللہ تعالیٰ ـــــ

کے لئے ضروری قرار دی ہیں۔ جب تک اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت و کوشش نہ ہو اور اطمینان و تسلی نہ ہو جائے فہم حدیث میں اپنی رائے سے کام نہ لیں حضرت امام مالکؒ سے چالیس مسائل کے بارہ میں دریافت کیا گیا مگر انہوں نے ۳۶ مسائل کے بارہ میں لا ادری (مجھے معلوم نہیں) کہہ کر معذرت کر دی تو آپ کو بھی عدم علم کے وقت لا ادری کہنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔ اور اختلافات اور جھگڑوں سے سکوت کریں۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ جب نیشاپور تشریف لائے اور لوگوں نے مسئلہ خلق قرآن کے متعلق دریافت کرنا چاہا تو تین دن تک جواب دینے سے گریز کرتے رہے۔ کہ اختلافات میں نہ پڑیں۔ آخر محمد بن یحیٰ الذھلی نے کہلوایا کہ لفظی بالقرآن مخلوق حضرت امام ابو حنیفہؒ تلامذہ کو رخصت کرتے وقت نصیحت کرتے کہ اپنے ہاں کے علماء کی قدر کیا کرو۔ وہ اپنا ایک حلقۂ اثر رکھتے ہیں۔ جو تمہارے پاس نہیں ہوتا ان کا احترام کرو۔ انہیں آگے رکھو اور اگر کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو فوراً میرا مذہب اور قول بیان نہ کرو بلکہ ان علماء کے اقوال پیش کر دو اور اس کے بعد میری رائے بھی پیش کر دو۔ حضرت امام اعظمؒ کا یہ مطلب نہ تھا کہ ناجائز کی تائید کرو بلکہ حق بات پہنچانے اور تبلیغ کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں تبلیغ اختلافات اور فتنہ انگیزیوں میں بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بہت بڑی حکمت، میانہ روی، نرمی اور تحمل کی ضرورت ہے۔ اس ملک میں قادیانی، پرویزی بلکہ عیسائی تک اپنے باطل مذاہب کی اشاعت کے لئے نرمی، شفقت، خدمت اور محبت کے تمام ذرائع استعمال کرتے ہیں ——— ❖

بقیہ :- اسلام کی عالمگیری اور جامعیت

ہے۔ (حقانی ج ۷، ص ۱۰۱ تا ۱۰۵)

کیا ایسا مشکوک، مبہم اور محرف دین عالمگیر ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کا یہ حال ہے۔ کہ قرآن آغاز نزول سے اب تک حافظہ اور تحریر دونوں صورتوں میں محفوظ رہا۔ اور اب تک ہے۔ اور ایک زبر یا زیر کا فرق ہو جائے تو لاکھوں حافظ چلا اٹھتے ہیں۔ کہ یوں نہیں یوں ہے۔ تمام عالم کے قرآن کے نسخے یکساں رہے ہیں۔ اور کوئی فرق ان میں کسی دور میں نہیں پایا گیا۔ یہی قرآن کے دوام اور محفوظیت کی واضح دلیل ہے۔ جو اسلام کے عالمگیر ہونے کا بین ثبوت ہے ❖